© rasailojaraid.com

مولانا سید محمد متین ہاشمی

تشریع اسلامی میں قیاس کا مقام

فقہائے امت نے اسلامی تشریع کی اساسیات میں چار چیزیں شمار کی ہیں:۔

۱۔ کتاب

۲۔ سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

۳۔ اجماع امت

۴۔ قیاس

اس مقالے میں "اصل رابع" یعنی قیاس کے متعلق گفتگو مقصود ہے۔

لغوی معنی

قیاس لغت میں "تقدیر" (اندازہ لگانے) کو کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے: قست الارض بالقصبة (میں نے زمین کو ناپنے کی لکڑی سے ناپا یعنی اس کا اندازہ لگایا)۔ اسی طرح کلام عرب میں مستعمل ہے، قست الثوب بالذراع (میں نے گز سے کپڑے کو ناپا) یعنی میں نے گز کے ذریعے کپڑے کی لمبائی اور چوڑائی کا اندازہ لگایا۔ قیاس میں دو باتیں لغوی اعتبار سے بھی ضروری ہیں۔ ایک تو مقیس اور مقیس علیہ کے درمیان مساوات اور دوسرے دونوں کے درمیان تعلق و مناسبت۔

اصطلاحی معنی

قیاس کی اصطلاحی تعریف میں علما کے مختلف اقوال ہیں۔ نورالانوار میں ہے:

القیاس فی اللغة التقدیر وفی الشرع تقدیر الفرع بالاصل فی الحکم والعلة [1]

قیاس لغت میں اندازہ لگانے کو کہتے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں حکم و علت کے اعتبار سے فرع کا اندازہ اصل کے مطابق لگانے کا نام قیاس ہے۔

---

[1] ملا جیون: نورالانوار، ۱۹۰ طبع مصطفائی لکھنؤ ۱۲۸۸ھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملا جیون نے ایک اور تعریف بھی نقل کی ہے لیکن پھر خود ہی اس کا ابطال کر دیا ہے:

وقیل هو تعدیة الحکم من الاصل الی الفرع وهو باطل [۵۲]

بعض نے قیاس کی تعریف میں کہا ہے کہ وہ حکم کو اصل سے فرع کی طرف پھیلانے کو کہتے ہیں، لیکن یہ نظریہ باطل ہے۔

علامہ آمدی نے ابوہاشم اور قاضی عبدالجبار کی تعریفات نقل کی ہیں، لیکن انھوں نے ان تعریفات کو غیر جامع قرار دے کر باطل کر دیا ہے:

وقال ابوهاشم انه عبارة عن حمل الشئ علی غیره واجراء حکمه وهو باطل [۵۳]

ابوہاشم نے کہا ہے کہ قیاس کسی شے کو اس کے غیر پر محمول کرنے اور اس پر اس کے حکم کو جاری کرنے کو کہتے ہیں لیکن یہ تعریف باطل ہے۔

وقال القاضی عبد الجبار انه حمل الشئ علی الشئ فی بعض احکامه بضرب من الشبه وهو باطل [۵۴]

قاضی عبدالجبار نے کہا ہے کہ قیاس کسی شے کو کسی دوسری شے پر بعض احکام کے اعتبار سے ایک قسم کی مشابہت کے باعث محمول کرنے کو کہتے ہیں، لیکن یہ باطل ہے۔

راقم الحروف کے خیال میں مندرجہ ذیل تعریف زیادہ جامع اور مانع ہے:

بانه الحاق امر غیر منصوص علی حکمه بامر آخر منصوص علی حکمه لاشتراك بینهما فی علة الحکم [۵۵]

یعنی علت حکم میں مشارکت کے باعث امر غیر منصوص کا حکم امر منصوص کے مطابق بیان کیا جائے۔

مثلاً علت اِسکار کی وجہ سے حکم دیا گیا ہے:

---

۵۲ ملا جیون، نور الانوار: ۱۹۰ مطبع مصطفائی لکھنؤ ۱۲۸۸ھ

۵۳ سیف الدین ابوالحسن علی بن ابی علی بن محمد الآمدی: الاحکام فی اصول الاحکام: ۳: ۱۶۹ - طبع قاہرہ ۱۹۶۷ء

۵۴ ایضاً

۵۵ محمد ابوزہرہ: اصول الفقہ، ۲۰۹ طبع مصر ۱۹۵۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ٥ (المائدہ : ۹۰)

اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے تو بس نری گندی باتیں ہیں، شیطان کے کام، سو اس سے بچے رہو تاکہ فلاح پاؤ۔

لہٰذا "اسکار" کی یہ علت جس مشروب میں بھی پائی جائے، وہ شراب کے حکم میں ہے اور حرام ہے۔

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ٥ (الجمعہ : ۹)

اے ایمان والو! جب نماز کے لیے جمعہ کے دن اذان کہی جائے تو چل پڑا کرو اللہ کی یاد کی طرف اور خرید و فروخت چھوڑ دیا کرو، یہ تمھارے حق میں بہتر ہے، اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔

اس آیت کریمہ نے جمعہ کی اذان کے بعد بیع و شرا کو مکروہ قرار دے دیا۔ اس کی علت یہ ہے کہ جمعہ کے دن اذان کے بعد بیع و شرا میں مشغول ہونے سے اندیشہ ہے کہ آدمی نماز سے غافل ہو جائے اور بہت ممکن ہے کہ نماز سے رہ جائے۔ اس حکم کی علت "اشتغال عن الصلوٰۃ" ہے۔ اب یہ علت اذانِ جمعہ کے بعد جس عمل میں بھی پائی جائے گی اس پر یہی حکم جاری کیا جائے گا۔ مثلاً اذان جمعہ کے بعد کسی مزدور کو اپنے کام میں لگائے رکھنا، رہن کے معاملات طے کرنا، عدالتوں میں مقدمات کی سماعت کرنا۔ یہ سارے کام اشتراک فی العلۃ کی وجہ سے مکروہ ہیں۔ حالاں کہ نص قطعی رہن، اجارہ یا قضا کے بارے میں وارد نہیں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: لا یرث القاتل (یعنی اگر جلد وراثت حاصل کرنے کے ارادے سے کوئی وارث اپنے مورث کو قتل کر دے تو اس کو میراث نہیں دی جائے گی)۔ مثلاً کسی بیٹے نے دیکھا کہ بوڑھا باپ زندہ بیٹھا ہوا ہے مرنے کا نام ہی نہیں لیتا، وہ سمجھتا ہے کہ بوڑھا جلدی مرے تو اس کے ترکے پر بحیثیت وارث کے قبضہ کرے، آخر کار ناامید ہو کر اس نے ایک دن موقع پا کر بوڑھے کو ٹھکانے لگا دیا۔ ایسے وارث کے لیے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ لا یرث (وہ وارث ہی نہیں ہوگا) اور اس کو مقتول کے ترکے سے کچھ نہیں ملے گا۔ حضور صلی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ علیہ وسلم کے اس حکم مبارک کی علت "استعجال قبل از وقت" ہے۔ یعنی وقت آنے سے پہلے ہی اپنے حق کو حاصل کر لینے کی خواہش۔ لہٰذا یہ علت استعجال جس حق میں پائی جائے گی عقوبت کے طور پر صاحب حق کو اس کے حق سے محروم کر دیا جائے گا۔ مثلاً زید نے وصیت کی کہ میری موت کے بعد میرا مکان بکر کو دے دیا جائے۔ بکر، زید کی موت کا انتظار کرتا رہا لیکن اتفاق سے زید کو موت نہیں آئی، ادھر بکر کا خیال تھا کہ زید جلدی مرے کہ میں اس کے مکان پر قابض ہو جاؤں، ناچار جذبہ استعجال (جلدبازی) سے متاثر ہو کر اس نے موصی یعنی زید کو قتل کر دیا۔ اس صورت مسئلہ میں بھی چونکہ وہی علت استعجال پائی جاتی ہے جو وارث میں پائی جاتی تھی، اس لیے اس مسئلے کو وارث والے مسئلے پر قیاس کر کے بکر کو زید کی وصیت کردہ جائداد سے بطور عقوبت محروم کر دیا جائے گا۔

مندرجہ بالا مثالوں کا مقصود اس بات کو واضح کرنا تھا کہ اگر کسی خاص واقعے میں نص موجود نہ بھی ہو لیکن حکم منصوص کی علت اس میں پائی جائے تو تسویہ فی العلۃ کی وجہ سے تسویہ فی الحکم ہوگا اور یہی قیاس ہے۔ اصولیین کی اصطلاح میں واقعہ منصوص (جس کی بابت نص پایا گیا) کو اصل اور تسویہ فی العلۃ کی وجہ سے جس واقعے کو اس پر محمول کر کے وہی حکم جاری کیا جائے اسے فرع کہتے ہیں۔ یعنی مقیس علیہ کو اصل اور مقیس کو فرع۔

تخریج و تحقیق مناط[56]

عمل قیاس کی ابتدا تخریج مناط سے ہوتی ہے یعنی جب مجتہد کسی منصوص حکم (اصل) پر غیر منصوص (فرع) کا قیاس کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ سب سے پہلے اس حکم کی مناط (علت) کا استخراج کرے۔ یہ بڑا نازک اور دقیق کام ہے اور اسی مقام پر مجتہد کی معمولی سی غلطی یا بے پروائی اسے حقیقت سے بہت دور لے جا سکتی ہے۔ اس کے بعد دوسرے عمل کا آغاز ہوتا ہے، یعنی اس علت کی تحقیق مثلاً مجتہد کو یہ دیکھنا ہوگا کہ آیا واقعتاً وہی علت واقعۂ غیر منصوص میں بھی پائی جاتی ہے یا نہیں جو واقعۂ منصوص میں ہے۔ یہ عمل اوّل الذکر عمل سے بھی زیادہ دقیق ہے۔ کافی غور و فکر اور تحقیق و تدقیق کے بعد جب یہ امر واضح ہو جائے کہ دونوں واقعات (اصل و فرع) علت کے اعتبار سے مساوی

56۔ مناط الحکم اس علت کو کہتے ہیں جس پر حکم کی بنیاد ہوتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں تو پھر اسے حق ہے کہ فرع (غیر منصوص) میں بھی اصل (منصوص) کا حکم جاری کر دے۔

اس مقام پر ایک نکتہ ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیے، وہ یہ کہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ نص کے حکم کی علت "معقول المعنی" ہو۔ یعنی حکم منصوص کی علت اور مصلحت سمجھ میں آجانے والی ہو۔ کیونکہ بہت سے ایسے بھی احکام ہیں جن کے مصالح کا ادراک کرنے سے عقلِ انسانی قاصر ہے اور ان کے مصالح اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہیں، اس طرح کے نصوص پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، مثلاً نمازوں کی رکعتوں کی تعداد سے متعلق مصالح یا روزوں کی منصوص تعداد میں مضمر مصالح یا طواف کے اشواط کی تعداد کے مصالح یا مثلاً حدِ زنا میں سو کوڑوں کی تخصیص کی وجہ یا حدِ قذف میں اسی کوڑوں کے تعین کی مصلحت یا ایک رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدوں کے مقرر کیے جانے کا راز۔ یہ ایسے امور ہیں جن کی علتیں سوائے اللہ تبارک و تعالیٰ کے حتمی طور پر کوئی نہیں جانتا۔ حضرت امام غزالی اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے طویل تدبر و تفکر کے بعد چند مصالح کی نشان دہی کی ہے لیکن ان کے فرمودات بہر صورت ظنی ہیں، حتماً کچھ نہیں کہا جا سکتا، اسی لیے علمائے اصول نے فیصلہ کیا ہے کہ عبادات اور عقوبات مقررہ (غیر معلوم العلل) میں قیاس درست نہیں ہے۔ البتہ ایسے احکام میں قیاس کرنا درست ہے جن کی علتیں عقل و ادراکِ انسانی کی گرفت میں آسانی کے ساتھ آجاتی ہیں اور اس طرح کے قیاس کی مثالیں پہلے گزر چکی ہیں۔

اس سلسلے میں ایک اور بات بھی قابلِ غور ہے، وہ یہ کہ قائس (مجتہد) تسویہ فی العلۃ کو سمجھ لینے کے بعد صرف اس کا "مظہر" (بضم میم) ہے مثبت (بضم میم) نہیں ہے، یعنی مجتہد کا صرف اتنا کام ہے کہ پہلے وہ شارع کے حکم کی مناط تلاش کرے، پھر اس کا تعین و تحقیق کرے اور کامل تسویہ محسوس کرنے کے بعد "علۃ الحکم" کو ظاہر کرے، مثلاً مجتہد نے شراب کی حرمت کے مناط کی تلاش کی، اس کے استخراج کے نتیجے میں علت "اسکار" ظاہر ہوئی، اب وہ تفحص کرے گا کہ علت اسکار کس کس مشروب میں پائی جاتی ہے۔ اس نے دیکھا کہ یہ علت جوش آنے کے بعد سیب کے رس یا تاڑی میں بھی پائی جاتی ہے تو وہ فیصلہ کرے گا کہ نشہ آور سیب کا رس یا تاڑی "حرام ہے۔ گویا اس نے یہ ظاہر کیا کہ "حرمت" شراب ہی کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ شارع علیہ السلام کا حکم وجودِ مناط کی صورت میں نشہ آور سیب کے رس یا تاڑی تک منجر ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مجتہد بذاتِ خود سیب یا تاڑی کو حرام کرنے والا ہے بلکہ وہ درحقیقت شارع علیہ السلام کے اصل والے (شراب) حکم کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرع (نشہ آور سیب کے رس اور تاڑی) میں ظاہر کرنے والا ہے۔ خلاصہ یہ کہ مجتہد مظہر ہوتا ہے مثبت نہیں[۵]

قیاس اور دلالۃ النص میں فرق

قیاس کی طرح دلالۃ النص کی بنیاد پر بھی حکم منصوص غیر منصوص کی طرف منجر ہوتا ہے لیکن دونوں میں فرق ہے۔

قیاس میں تو پہلے استخراج مناط ہوتا ہے پھر تحقیق اور پھر اظہارِ حکم۔ دلالۃ النص میں ان مراحل کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ صرف حکم منصوص کے مفہوم کو لغت کے ذریعے متعین کرتے ہیں اور اصل کا حکم فرع میں جاری کر دیتے ہیں۔

مثلاً والدین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۔ (بنی اسرائیل: ۲۳)

(جب والدین تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو) ان کو "ہوں" بھی نہ کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے ادب کے ساتھ بات چیت کرنا۔

اس حکم کی علت "ایذا" ہے۔ یعنی تم ان سے کوئی بھی ایسی بات نہ کہنا یا ان کے ساتھ کوئی بھی ایسا برتاؤ نہ کرنا جس سے بڑھاپے میں تمھارے والدین کو "ایذا" ہو۔ ایذا کا یہ تصور "فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ" سے مفہوم ہے۔ لہٰذا اس مقام پر کسی تخریج مناط، تحقیق مناط، اجتہاد اور قیاس کی ضرورت نہیں ہے۔ اصل نص کا حکم خود بخود تمام فروع میں جاری ہو جائے گا۔ یعنی ہر وہ عمل جس سے بوڑھے والدین کو ایذا ہو۔ مثلاً گالی دینا۔ عقوق الوالدین۔ ان کی جائز و معقول خواہشات کو حقارت سے رد کر دینا (جس سے ان کی ایذا کا امکان ہو) فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ کی نہی میں داخل ہے۔

حجیتِ قیاس

سوائے اہلِ ظواہر اور بعض فرقِ شیعہ کے جمہور علمائے اسلام اس بات کے قائل ہیں کہ احکامِ عملیہ میں قیاس حجتِ شرعی ہے گو کہ یہ چوتھے درجے میں ہے۔ یعنی اگر کسی واقعے کا حکم نہ قرآن کریم میں ہے نہ سنت میں اور نہ اس کی بابت اجماعِ امت ہوا ہو تو احکامِ منصوصہ میں اس کی اصل کے پائے جانے

---

[۵] حوالے کے لیے دیکھیے، مصادر التشریع الاسلامی، عبدالوہاب خلاف: ۲۷ طبع مصر ۱۹۷۲ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی صورت میں قیاس کرنا درست ہوگا اور وہ قیاس حجتِ شرعی ہوگا۔ حجیتِ قیاس کے قائلین کے مندرجہ ذیل دلائل ہیں:

قرآن کریم

۱۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝ (النساء: ۵۹)

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اپنے میں سے اہلِ اختیار کی اطاعت کرو، پھر اگر تم میں باہم اختلاف ہو جائے کسی چیز میں تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا یا کرو، اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہی بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے خوشتر ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ اگر کسی مسئلے میں نزاع اور اختلاف کی صورت پیدا ہو جائے اور قرآن و سنت یا اجماع امت میں اس کی بابت کوئی حکم نہ ملے تو پھر تمہیں چاہیے کہ اپنے اختلاف کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یعنی قرآن و سنت کی طرف لوٹاؤ۔ ظاہر ہے کہ قرآن و سنت کی طرف اختلاف کو لوٹانے کا مطلب ہی یہ ہے کہ واقعہ (فرع) اور اصل کی علت میں تساوی تلاش کی جائے اور شرائط قیاس کے پائے جانے کی صورت میں اصل کا حکم فرع میں جاری کیا جائے۔

۲۔ ایک مقام پر ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ أَنْ يَخْرُجُوا وَظَنُّوا أَنَّهُمْ مَانِعَتُهُمْ حُصُونُهُمْ مِنَ اللَّهِ فَأَتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ ۝ (الحشر: ۲)

وہ وہی ہے جس نے کفار اہل کتاب کو ان کے گھروں سے پہلی ہی بار اکٹھا کر کے نکال دیا۔ تمہارا گمان بھی نہ تھا کہ وہ نکلیں گے اور وہ لوگوں کا خیال یہ تھا کہ ان کے قلعے ان کو اللہ کی گرفت سے بچا لیں گے سو اللہ کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عذاب ان پر ایسی جگہ سے پہنچا کہ انھیں خیال بھی نہ تھا اور اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا تو وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے ہی اجاڑ رہے تھے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی۔ سو اے دانش والو عبرت حاصل کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہودِ مدینہ منورہ کے قبیلے بنو نضیر کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہود کے دیگر قبائل کے علاوہ اس قبیلے سے بھی صلح کا معاہدہ ہوگیا تھا لیکن ربیع الاوّل ۴ھ میں ایک معاملے کے سلسلے میں آپ ان کے ہاں تشریف لے گئے تو انھوں نے آپ کو ایک جگہ بٹھا کر یہ سازش کی تھی کہ اوپر سے پتھر گرا کر آپ کو ہلاک کردیں۔ اس واقعے سے قبل غزوۂ اُحد کے موقع پر بھی اس قبیلے نے مسلمانوں سے غداری کی تھی۔ بالآخر باوجود مختلف تنبیہات کے جب انھوں نے اپنے رویے میں تبدیلی نہیں کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں جلاوطن کردینے کا فیصلہ فرمایا۔ اس پر وہ قلعہ بند ہوکر بیٹھ رہے لیکن ان کی ایک نہ چلی اور انھیں مدینہ چھوڑ کر شام اور خیبر کی طرف جانا پڑا۔

اس واقعے کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ

سو اے دانش والو! عبرت حاصل کرو۔

یعنی ان پر اپنے نفس کو قیاس کرو، کیوں کہ جس طرح تم ایک انسان ہو اسی طرح وہ لوگ بھی انسان ہیں، انھوں نے معاہدہ کرکے بدعہدی کی، انھوں نے اللہ کے رسولِ برحق کی بار بار کی تنبیہات کی پروا نہ کی۔ وہ حق کے خلاف سازشوں میں مشغول رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے گھر در اور جائدادوں سے محروم ہوکر نکال دیے گئے۔ سو اگر یہی حالات تمھارے ہوجائیں اور ذلت و نکبت کے آثار تمھارے اندر ظاہر ہونے لگیں۔ تم بھی معاہدہ کرو اور اسے پامال کرنے لگو۔ رسول برحق کے تابعین کی تنبیہات کی پروا نہ کرو۔ حق کے خلاف سازشیں کرنے لگو تو تمھارا بھی وہی حال ہوگا جو "قبیلہ بنو نضیر" کا ہوا۔ قیاس اسی کو کہتے ہیں کہ پہلے "تخریج مناط و تحقیق مناط" کرکے اسباب و علل کا تعین کرلیا جائے۔ پھر یہ دیکھا جائے کہ حالاتِ مقیس و مقیس علیہ میں کامل تسویہ ہے یا نہیں۔ اگر کامل تسویہ ہو تو اصل کا حکم فرع پر جاری کردیا جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کی تو زندہ مثالیں ہماری روزانہ زندگی میں ملتی ہیں۔ امتحان گاہ میں ایک لڑکا نقل کرتا ہوا پکڑا گیا، اس کی کاپی مسترد کر دی گئی اور آئندہ امتحان میں شرکت کرنے سے اسے روک دیا گیا تو امتحانات کے منتظمین اس پر بس نہیں کرتے بلکہ ایک اعلان تیار کرتے ہیں کہ "فلاں طالب علم نقل کرتا ہوا پکڑا گیا ہے اس لیے اس کی کاپی مسترد کر دی گئی ہے اور اُسے آئندہ ہونے والے امتحانات میں شریک ہونے سے روک دیا گیا ہے"۔ یہ اعلان لے کر کوئی استاد آتا ہے اور امتحان گاہ کے ہر کمرے میں بہ آوازِ بلند پڑھ کر سناتا ہے تاکہ دیگر امید وار "قیاس" کریں اور یہ سمجھیں کہ اگر "نقل کرنے کی" وہی علت جو طالب علم معہود میں پائی جاتی تھی میرے اندر بھی پائی گئی تو مجھ پر بھی وہی حکم جاری ہوگا یعنی میری بھی کاپی مسترد کر دی جائے گی اور آئندہ ہونے والے امتحانات میں شرکت سے روک دیا جاؤں گا۔

۳۔ قیاس میں حجیت کی سب سے بڑی دلیل تو یہ ہے کہ بعض مواقع پر منکرین کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ خود قیاس کا طریقہ اختیار فرماتا ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے:

قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ۝ (یس: ۷۹)

(کافر اپنی خلقت کو بھول گیا اور کہنے لگا) کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو جب کہ وہ بوسیدہ ہو گئی ہوں۔ آپ کہہ دیجیے کہ انھیں وہی زندہ کرے گا جس نے انھیں اول بار پیدا کیا تھا اور وہی سب کی خلقت سے خوب واقف ہے۔

بعض روایتوں[۵۸] میں ہے کہ ایک کافر سڑی ہوئی ہڈی لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اسے دکھا کر آپ سے دریافت کیا کہ "اگر میں اسے پیس کر اس کے ذرات ہوا میں اڑا دوں تو کیا تب بھی تمھارا رب اسے زندہ کر سکتا ہے"۔ اس موقع پر یہ جواب نازل ہوا کہ:

قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ

آپ کہہ دیجیے کہ انھیں وہی زندہ کرے گا جس نے انھیں اول بار پیدا کیا تھا۔

مذکورہ بالا آیتِ کریمہ کی تفسیر کے بعد علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

ففی ھذا دلیل علی صحۃ القیاس لان اللہ تعالیٰ احتج علی منکری البعث بالنشأۃ

---

۵۸ محمد بن احمد الانصاری القرطبی: الجامع لاحکام القرآن: ۱۵: ۵۸۔ طبع مصر ۱۹۶۷ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الا ولی قال من یحیی العظام وھی رمیم [59]

یعنی اس میں قیاس کے حجت ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بعث بعد الموت کے منکرین پر بدیع اول سے حجت قائم کی ہے اور فرمایا: قال من یحیی الآیہ

اس آیت کریمہ پر گفتگو کرتے ہوئے علامہ ابوبکر الجصاص لکھتے ہیں:

فیہ من اوضح الدلیل علی ان من قدر علی الابتداء کان اقدر علی الاعادۃ اذکان فظاہر الام ان اعادۃ الشیٔ ایسر من ابتداءہ فمن قدر علی الانشاء ابتداءً فھو علی الاعادۃ اقدر فیما یجوز علیہ البقاء وفیہ الدلالۃ علی وجوب القیاس والاعتبار لانہ الزمھم قیاس النشأۃ الثانیۃ علی الاولیٰ [60]

اس آیت کریمہ میں سب سے واضح دلیل یہی ہے کہ جو ذات کسی عمل کی ابتدا کرنے پر قدرت رکھتی ہے وہ (برباد ہو جانے کے بعد) اسے دوبارہ بنا دینے پر بدرجۂ اولیٰ قادر ہو گی کیوں کہ یہ تو ظاہر ہے کہ کسی شیٔ کا اعادہ اس کی ابتدا کرنے سے زیادہ آسان ہوتا ہے۔ لہٰذا جو ذات ابتدا پر قادر تھی وہ اعادے پر اس سے زیادہ قادر ہو گی جس پر اس کی بقا کا انحصار ہے اور اسی آیت میں قیاس و اعتبار کے واجب ہونے کی دلیل بھی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کفار پر لازم کیا کہ وہ نشأۃِ ثانیہ کو نشأۃِ اولیٰ پر قیاس کریں۔

علل کا بیان

یہ ہے قرآن کریم میں بعض مقامات پر اللہ تعالیٰ نے احکام کے ساتھ ساتھ ان کی علتیں بھی بیان فرمائی ہیں اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ ان علتوں کی بنیاد پر قیاس کیا جائے۔ مثلاً قصاص کے بارے میں ارشاد ہے:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ (البقرہ: ۱۷۹)

اے اہلِ فہم! قصاص میں زندگی ہے۔

یا حضرت زید بن حارثہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنّیٰ) کی مطلقہ حضرت زینبؓ سے عقد کرنے کا حکم دیتے وقت اللہ تعالیٰ نے صرف حکم ہی نہیں دیا بلکہ اس کی علت بھی بیان فرمائی:

---

۵۹ محمد بن احمد الانصاری القرطبی: الجامع لاحکام القرآن: ۱۵: ۵۸ - طبع مصر ۱۹۶۷ء

۶۰ ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص: کتاب احکام القرآن: ۳: ۳۷۶ - طبع ۱۳۳۵ھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَاۗىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ○ (الاحزاب: ۳۷)

پھر جب زید کا دل اس عورت سے بھر گیا تو ہم نے اس کا نکاح آپ کے ساتھ کر دیا تاکہ اہل ایمان پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں کچھ تنگی نہ رہے جب وہ ان سے اپنا جی بھر چکیں۔

یا مالِ غنیمت کو فقیروں، مسکینوں، یتیموں، اعزا اور مسافروں کے درمیان تقسیم کرنے کا حکم دیتے وقت اللہ تعالیٰ نے اس کی مصلحت بھی بیان فرمائی:

مَآ اَفَاۗءَ اللّٰهُ عَلٰي رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَاۗءِ مِنْكُمْ ۭ (الحشر: ۷)

جو کچھ اللہ اپنے رسول کو دوسری بستیوں والوں سے بطور فئ دلوائے سو وہ اللہ ہی کا حق ہے اور رسول کا اور رسول کے عزیزوں کا اور یتیموں کا اور مسکینوں کا اور مسافروں کا تاکہ وہ مال تمہارے تونگروں ہی کے قبضے میں نہ رہ جائے۔

یعنی اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ مال کی گردش ہوتی رہے اور صرف ایک طبقے ہی میں محدود ہو کر نہ رہ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ علت اس لیے بیان فرمائی کہ اسلام کا مالیاتی نظام اسی علت پر قیاس کر کے تیار کیا جائے۔

سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

ابو داؤد میں حضرت معاذ بن جبل کے اصحاب سے روایت ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما اراد ان یبعث معاذا الی الیمن قال کیف تقضی اذا عرض لک القضاء قال اقضی بکتاب اللہ قال فان لم تجد فی کتاب اللہ قال فبسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فان لم تجد فی سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا فی کتاب اللہ قال اجتہد برائی ولا آلو فضرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدرہ فقال الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما یرضی رسول اللہ [۱]

---

[۱] ابو داؤد، ۲: ۵۰۵ طبع کان پور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو ان سے دریافت فرمایا کہ "جب تمھارے سامنے مقدمات آئیں گے تو تم فیصلے کس طرح کروگے"؟ انھوں نے عرض کیا کہ "اللہ کی کتاب کے ذریعے فیصلہ کروں گا" آپ نے دریافت فرمایا کہ "اگر تم اس معاملے کے بارے میں کتاب اللہ میں کچھ نہ پاؤ تو کیا کروگے"؟ انھوں نے عرض کیا کہ "پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا" آپ نے دریافت فرمایا کہ (اگر بالفرض تمھیں وہ معاملہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی نہ ملے اور نہ کتاب اللہ میں تب تم کیا کروگے؟" حضرت معاذ بن جبلؓ نے عرض کیا "اس وقت میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور ایسا کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ برتوں گا" (اس وقت) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک (شاباشی دینے کے انداز میں) حضرت معاذ کے سینے پر مارا اور ارشاد فرمایا "تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے رسول اللہ کے رسول کو اس بات کی توفیق عطا فرمائی جسے اللہ کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پسند کرتا ہے۔

یعنی یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ بخوبی جانتے تھے کہ انسانی معاشرہ ترقی پذیر ہے، زمانہ جوں جوں آگے بڑھتا جائے گا نئے نئے مسائل جنم لیتے رہیں گے اور دینِ اسلام کے حاملین کو قرآن وسنت کی روشنی میں ان مسائل کو حل کرنا ہوگا، دین قویم، جامد اور بے روح دین نہیں ہے، اسے تو قیامت تک کے لیے باقی رہنا اور انسانیت کے مسائل کو حل کرنا ہے، زمانی اور مکانی طور پر تبدیلیوں کے امکانات لامتناہی ہیں، لہٰذا ان لامتناہی امکانات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ضروری ہے کہ قانون کو موثر اور قابلِ عمل رکھا جائے اس کا بہترین ذریعہ "قیاس" ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کے نظریات کو سراہا اور اسے لما یرضی رسول اللہ کے عین مطابق قرار دیا۔

صحیح روایات میں ہے کہ اکثر مواقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قیاس فرما کر امت کے لیے نمونۂ عمل قائم فرما دیا ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ایک روایت ہے:

عن ابن عباس ان امرأۃ من جہینۃ جاءت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت ان امی نذرت ان تحج فلم تحج حتی ماتت افاحج عنہا قال حجی عنہا ارأیت لو کان علی امک دین اکنت قاضیۃ اقضوا اللہ فاللہ احق بالوفاء[۱۲]

---

[۱۲] صحیح بخاری شریف ۱: ۲۵۰ - طبع کرزن پریس دہلی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ "میری والدہ نے نذر مانی تھی کہ وہ حج کرے گی لیکن وہ حج نہ کر سکی اور فوت ہو گئی، کیا میں اس کی طرف سے حج کر لوں؟" آپ نے ارشاد فرمایا "ہاں! تو اس کے بدلے حج کر لے۔ اچھا یہ تو بتا کہ اگر تیری والدہ پر قرض ہوتا تو کیا اس قرض کو ادا کرتی؟ (یا نہیں) جب یہ بات ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کا قرض ادا کیا جائے" (یعنی نذر پوری کی جائے)

اس روایت پر غور فرمائیں۔ تساوی فی العلۃ کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "حج منذور" کو "قرض پر" قیاس فرما کر عملاً ایک لائحہ عمل پیش فرما دیا۔

ابو داؤد شریف کی ایک روایت میں ہے:

عن ابی ھریرۃ قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من بنی فزارۃ فقال ان امرأتی جاءت بولد اسود فقال ھل لک من ابل قال نعم۔ قال ما الوانھا قال حمر قال فھل فیھا من اورق قال ان فیھا لورقا قال فانی تراہ قال عسی ان یکون نزعتہ عرق قال وھذا عسی ان یکون نزعہ عرق [۱۳]

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ بنو فزارہ کے ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میری بیوی نے ایک سیاہ فام بچے کو جنم دیا ہے (حالاں کہ میں گورا چٹا آدمی ہوں اور وہ خود بھی گوری ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس نے شک کا اظہار کیا) ۔ آپ نے اس سے سوال فرمایا "کیا تیرے پاس اونٹ ہیں؟" اس نے کہا "جی ہاں!" آپ نے دریافت فرمایا "ان کے کون کون سے رنگ ہیں"۔ اس نے کہا "سرخ" آپ نے دریافت فرمایا "کیا ان میں کوئی خاکستری رنگ کا بھی ہے"؟ اس نے عرض کیا "جی ہاں" آپ نے دریافت فرمایا کہ "اس کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے کہ وہ کہاں سے آ گیا"؟ اس نے جواب دیا کہ "ممکن ہے کہ کسی رگ کے فساد کی وجہ سے ایسا ہو گیا ہو"۔ تب آپ نے ارشاد فرمایا کہ "وہی رگ کا فساد یا تناؤ کا سبب یہاں بھی تو پایا جا سکتا ہے"۔ (للہٰذا تو اپنی بیوی پر بدگمانی نہ کر)

اس روایت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نومولود کے سیاہ رنگ ہونے کو اونٹ کے خاکستری ہونے پر قیاس فرمایا اور تساوی فی العلۃ کی بنا پر مقیس پر مقیس علیہ کا حکم جاری فرما دیا۔ (باقی آئندہ)

۱۳؎ ابو داؤد شریف، ۱: ۳۰۸ طبع کان پور

© rasailojaraid.com